OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

Al-Nasr Volume 3, Issue 3 (July-September 2024)

اقبال اور فیض کی اسلامی فکر و دیگر اشتراکات: ایک تحقیقی مطالعہ

Islāmic Ideology & Other Shared aspects of Iqbāl and Faîz: A Research Study

Muhammad Tahir Akbar

PhD Scholar, Department of Quranic Studies IUB.

E-mail: 786tiens@gmail.com, What's App: 0301-8650352.

ORCID ID: 0009-0008-2290-594X

Abstract

Iqbal and Faiz are two famous poets. Both poets are native of the Sialkot City (Pakistan). Both had studied Arabic and Islamic studies under Shamsul Ulama Maulvi Mir Hassan. Both poets were highly educated and specialized in social sciences. This article is not a comparative study of these poets in such a way that Iqbāl is proved superior to Faiz, Because Faiz himself admires Iqbāl's art and intellect in his writings. This article involves of the study of common factors of their personal, intellectual and artistic approach.

Both poets believe that humanity is based on love and compassion. Both have made their poetry a powerful tool for achieving people's rights. They have opposed the factors and trends that humiliate and harm human beings. Both poets have strongly opposed religious extremism, sectarianism, racism, and prejudices based on language and region, and have composed poetry for people and Muslims around the world. Freedom of expression and the rule of law are the main themes of both poets.

Keywords:

Iqbal, Faiz, Poetry, sectarianism, racism, Freedom of expression, Rule of Law

CC BY

1۔ تمہید:

اقبالؒ ایک ایسے شاعر، دانشور، ادیب، مصلح اور مفکر تھے کہ ان کے ہم عصروں اور بعد میں آنے والوں نے ان سے اثر لیا۔ اردو کے ایک بڑے شاعر، ادیب اور مفکر: فیض احمد فیض جو اقبال کے ہم عصر بھی تھے نے اقبال کے سے انداز میں عمرانی فلسفہ کو اشعار میں ڈھال کر پیش کیا۔ زیر نظر مضمون میں اقبال اور فیض کی اسلامی فکر اور دیگر مشترکات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگرچہ کہ فیض عمر میں اقبال سے قریباً 34 سال چھوٹے تھے لیکن دونوں شعراء کا تعلق پاکستان کے شہر سیالکوٹ سے تھا۔ دونوں کے اجداد موجودہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے آکر سیالکوٹ میں آباد ہوئے تھے اور معاشرے میں معزز مقام رکھتے تھے۔ دونوں نے شمس العلماء مولوی میر حسن سے عربی اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ دونوں شعراء اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سوشل سائنسز کے موضوعات پر گرفت رکھتے تھے۔ زندگی سے متعلق خاص فلسفہ اور نظریہ رکھتے تھے۔ ظلم اور استحصال کے خلاف تھے، مساواتِ انسانی کے علمبردار تھے۔ اسلام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک وسیع تناظر میں دیکھتے تھے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے، جدجہد، اصلاح اور حرکت کے فلفسہ پر یقین رکھتے تھے۔ زیر نظر مضمون میں اقبال اور فیض کی ذاتی زندگی، فکری اور فنی اشتراکات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

1.1۔ منہج تحقیق:

زیر نظر مضمون میں اقبال اور فیض دونوں شعراء کی ذاتی زندگی کا تاریخی مطالعہ اوران کی شاعری و نثر کے تجزیاتی مطالعہ سے ان کے ذاتی، فکری و فنی رحجانات کا جائزہ لیا گیا ہے اور دونوں شعراء کی اسلامی فکر اور دیگر مشترکات پیش کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔

2۔ "اقبال" فیض کی نظر میں:

- ایک انٹرویو کے دوران سوال کا جواب دیتے ہوئے فیض احمد فیض نے کہا کہ اٹھارہویں صدی کا سب سے بڑا شاعر "میر" ہے، انیسویں صدی کا سب سے بڑا شاعر "غالب" اور بیسویں صدی کا سب سے بڑا شاعر "اقبال" ہے۔[1] ایک اور انٹرویو میں کہا کہ جہاں تک شاعری میں سنسی بیلٹی، زبان اور اس کی موسیقیت کا تعلق ہے: ہم تو علامہ کی خاک پا بھی نہیں ہیں، علامہ اقبال بہت بڑے شاعر ہیں۔ اگر وہ اشتراکیت کے معاملے میں ذرا سنجیدہ ہو جاتے تو ہمارا کہیں ٹھکانا نہ ہوتا۔
- ایک سوال کے جواب میں فیض کہتے ہیں! اس دور کے سب سے بڑے شاعر یقیناً اقبال ہیں۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے یہاں امرا، روسا اور نوابوں کا طبقہ تھا۔ اس کے ختم ہوتے ہی مڈل کلاس آگئی۔ اگلی شاعری اقبال کی ہے جو اسی متوسط طبقے کی شاعری ہے۔ جس سے ان میں ایک نیا سیاسی شعور اور جذبہ قومیت پیدا ہوا۔[2]
- گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ کے وقت فیض نے اقبال سے سفارشی خط بھی لیا تھا۔ اس سے بھی فیض کے دل میں اقبال کی قدر و منزلت کے بارے میں علم ہوتا ہے۔[3]

- فیض نے اٹھارہ انیس سال کی عمر میں اقبال پر نظم لکھی تھی جو اس وقت 1931ء کے ایک میگزین میں شائع ہوئی اور باقیات فیض میں شامل ہے۔

اقبال

زمانہ تھا کہ ہر فرد انتظار موت کرتا تھا، عمل کی آرزو باقی نہ تھی بازوے انساں میں
بساط دہر پر گویا سکوتِ مرگ طاری تھا، صدائے نوحہ خواں تک بھی نہ تھی اس بزم ویراں میں
رگِ مشرق میں خونِ زندگی تھم تھم کے چلتا تھا، خزاں کا رنگ تھا گلزار ملت کی بہاروں میں
فضا کی گود میں چپ تھے ستیز انگیز ہنگامے، شہیدوں کی صدائیں سو رہی تھیں کارزاروں میں
سُنی واماندہ منزل نے آواز درا آخر، ترے نغموں نے آخر توڑ ڈالا سحر خاموشی
ہے غفلت کے ماتے خوابِ دیرینہ سے جاگ اٹھے، خود آگاہی سے بدلی قلب وجاں کی خود فراموشی
عروقِ مردہ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا، فسردہ مشتِ خاکستر سے پھر لاکھوں شرر نکلے
زمیں سے نوریاں تا آسماں پرواز کرتے تھے، یہ خاکی زندہ تر پایندہ تر تابندہ تر نکلے
نبود و بود کے سب راز تو نے پھر سے بتلائے، ہر اک فطرت کو تو نے اس کے امکانات جتلائے
ہر اک قطرے کو وسعت دے کے دریا کر دیا تُو نے، ہر اک ذرے کو ہم دوشِ ثریا کر دیا تُو نے
فروغِ آرزو کی بستیاں آباد کر ڈالیں، زجاجِ زندگی کو آتش دوشیں سے بھر ڈالا
طلسم کُن سے تیرا نغمہ جاں سوز کیا کم ہے، کہ تُو نے صد ہزار افیونیوں کو مَرد کر ڈالا[4]

- نقش فریادی کی "اقبال" کے ہی عنوان سے ایک اور نظم میں فیض نے اقبال کو خراج تحسین پیش کیا۔

آیا ہمارے دیس میں اک خوش نوا فقیر — آیا اور اپنی دھن میں غزلخواں گزر گیا
سنسان راہیں خلق سے آباد ہو گئیں — ویران میکدوں کا نصیبہ سنور گیا
تھیں چند ہی نگاہیں جو اس تک پہنچ سکیں — پر اس کا گیت سب کے دلوں میں اتر گیا
چند اک کو یاد ہے کوئی اس کی ادائے خاص — دو اک نگاہیں چند عزیزوں کے پاس ہیں[5]

- فیض نے علامہ اقبال کی فارسی کتاب پیام مشرق کا منتخب منظوم اردو ترجمہ بھی کیا۔ اس ترجمہ کی بحر بھی وہی رکھی جو اقبال کی بحر تھی۔ اور پیش لفظ میں لکھا کہ اس ترجمہ میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ علامہ کی ہی دین ہے[6]۔

3۔ اقبال اور فیض کی ذاتی زندگی کے حوالہ سے اشتراکات:

- اقبال اور فیض دونوں کے اجداد موجودہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے تعلق رکھتے تھے اور ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے۔ اقبال کے اجداد نے ان کی پیدائش سے قریباً ساڑھے چار سو سال قبل اسلام قبول کیا تھا۔ اس سے قبل وہ سپرو

(کشمیری پنڈت) تھے۔[7] فیض کے اجداد بھی موجودہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے تھے، وہ پختون تھے[8]۔

- اقبال اور فیض دونوں نے شمس العلماء مولوی میر حسن سے عربی کی تعلیم حاصل کی، یوں دونوں ہم مکتب و ہم استاد بھی ہیں۔[9]
- اقبال اور فیض کی صحت، طبیعت اور بیماریوں میں بھی کسی حد تک مشابہت نظر آتی ہے۔ "فیض" ورزش اور چہل قدمی سے دور بھاگتے تھے۔ فوج میں بھی ان کی حیثیت صرف فوجی وردی تک محدود تھی ورنہ وہ محکمہ نشر واشاعت کی کرسیوں پر ہی اپنا دن گزار دیتے تھے۔ تمباکو نوشی اور بدنی تساہل میں فیض علامہ محمد اقبال سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔[10]
- اقبال نے اپنے لندن میں قیام کے دوران شاعری چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن پروفیسر آرنلڈ کے مشورے پر ایسا نہ کیا۔ فیض کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں! پڑھنے والے ہراساں ہو گئے تھے کہ اب فیض شاعری سے دست کش ہو کر عزلت نشینی کی زندگی بسر کرنے کے درپے ہے۔[11]

4۔ اقبال و فیض کے فکری و فنی اشتراکات و رجحانات:

اقبال اور فیض دونوں شعراء ایک جیسی علامتوں، اشاروں اور استعاروں اور عربی و فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال نہایت کامیابی سے کرتے تھے۔ دونوں شعراء اسلامی تصوف اور مولانا روم سے متاثر تھے۔ دونوں شعراء نے مشرق وسطیٰ، ایران اور عالم اسلام کے لئے شاعری کی۔ دونوں شعراء کی شاعری میں خدمت انسانی اور مساوات انسانی کا پیغام ہے۔ دونوں شعراء کی شاعری میں اشتراکیت پسندی کا رجحان نظر آتا ہے اگرچہ اقبال اشتراکیت کی بھی بار بار نفی کر کے اسلامی نظام حکومت و معیشت کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ دونوں شعراء کی شاعری جوش، جذبہ، ولولہ، امید، خود اعتمادی اور زندگی سے بھرپور ہے۔ دونوں شعراء شیخ و ملاں کی کم علمی و جہالت سے بیزار نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ فیض نے فارسی شاعری کی کتاب "پیام مشرق" کا منظوم اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ ذیل میں ان اشتراکات کا طالب علمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

4.1۔ اقبال اور فیض کا ایک جیسی علامتوں، اشاروں اور استعاروں کا استعمال:

دونوں شعراء کی ایک اہم مشترک چیز یہ نظر آتی ہے کہ دونوں نے اظہار کے لئے روایتی علامتوں، اشاروں اور استعاروں کو اپنایا اور انہیں جدید معنی عطا کئے۔ ذیل میں شاعری میں استعمال ہونے والوں الفاظ کے ساتھ بریکٹ میں ان کے معانی بھی دیئے گئے ہیں۔

عاشق، مجاہد، یا رِند (مجاہد، انقلابی، باغی)، معشوق (وطن، عوام)، رقیب (سامراج، سرمایہ داری)، عشق (انقلابی ولولہ، جذبہ حریت)، وصل (انقلاب، حریت)، ہجر، فراق (جبر، استحصال یا انقلاب سے دوری)، عقل (مصلحت، نوکر شاہی یا عسکری نظام

سے سمجھوتہ)، بُلبُل، عندلیب (جذبہ قومیت و حریت سے سرشار شاعر)، گُل (نصب العین)، چمن (وطن)، گلچیں (سامراج، آمریت)۔ بانگ درا (اقبال) کی نظم "تصویر درد" سے دو شعر دیکھئے:

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے — چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑا اس باغ گلچیں — تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغ بانوں میں[12]

اب دست صبا (فیض) کی غزلوں سے یہ دو اشعار دیکھیے:

چمن پہ غارت گل چیں سے جانے کیا گزری — قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے[13]

دست صیاد بھی عاجز ہے کف گل چیں بھی — بوئے گُل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے[14]

4.2۔ عربی، فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال و قرآنی اثرات:

- اقبال نے اپنے کلام میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب کا بھرپور استعمال کیا۔ آپ کی شاعری میں قرآن و احادیث کی تلمیحات، قرآنی الفاظ اور قرآنی آیات بھی نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ اس موضوع پر بہت سے تحقیقی مضامین اور کتب موجود ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کی کتاب "اقبال اور قرآن" اس حوالہ سے نہایت معروف ہے۔
- فیض بھی اقبال کی طرح عربی و فارسی لفظوں سے جہاں چاہیں استفادہ کرتے ہیں۔ فیض کی شاعری میں بھی قرآنی الفاظ، تلمیحات اور آیات بکثرت موجود ہیں۔ فیض نے ایران کے اسلامی انقلاب پر "وَیَبقیٰ وَجہُ رَبِّک" کے عنوان سے جو نظم لکھی، اس میں سورۃ الانشقاق ا، سورہ الغاشیہ اور دیگر قرآنی سورتوں میں قیامت کے خوفناک منظر اور جب سورج کی حدت کی شدت اور میدان حشر کے بلاوے اور حساب و جزا و سزا کو نہایت احسن انداز سے بیان کیا ہے اور آخری اشعار میں اسلامی تصوف کی چھاپ نظر آتی ہے۔

ہم دیکھیں گے — لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے — دور کتنی ہے خورشید محشر کی لو — آج کے دن نہ پوچھو مرے دوستو! وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے — جو لوح ازل میں لکھا ہے — جب ظلم و ستم کے کوہ گراں — روئی کی طرح اڑ جائیں گے ہم محکوموں کے پاؤں تلے — جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی — اور اہل حکم کے سر اوپر — جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی

جب ارضِ خدا کے کعبے سے — سب بُت اٹھوائے جائیں گے — ہم اہل صفا، مردود حرم — مسند پہ بٹھائے جائیں گے

سب تاج اچھالے جائیں گے — سب تخت گرائے جائیں گے — بس نام رہے گا اللہ کا — جو غائب بھی ہے، حاضر بھی

جو منظر بھی ہے ناظر بھی　　گونجے گا انا الحق کا نعرہ　　جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو　　اور　راج کرے گی خلق خدا[15]

- فیض نے جو نظم ایک "ترانہ مجاہدین فلسطین کے لئے" لکھا اس میں قرآنی آیت کو مصرعوں میں پیوست کر دیا:

حقا ہم جیتیں گے　　قد جاء الحق و زہق الباطل[16]

- "دست تہ سنگ" کی نظم "شورش زنجیر بسم اللہ" کے کئی مصرعوں کو بسم اللہ کے فقرہ پر ختم کیا ہے جو ردیف زائد کی صورت نہیں بل کہ ان مصرعوں میں بسم اللہ کے بغیر ادھورے رہ جاتے ہیں۔

ہوئی پھر امتحانِ عشق کی تدبیر بسم اللہ　　ہر اک جانب مچا کہرام دار و گیر بسم اللہ
گلی کوچوں میں بکھری شورش زنجیر بسم اللہ　　جہاں میں درد دل کی پھر ہوئی توقیر بسم اللہ
کرو یارو شُمارِ نالہ شب گیر بسم اللہ　　سرِ مقتل چلو بے زخمتِ تقصیر بسم اللہ[17]

- فیض نے شام شہریاراں میں 72 مصرعوں کا مرثیہ امام لکھا جس میں کربلا کو انقلاب عصر سے جوڑ کر بتایا کہ حریت آزادی کا مبدا کربلا کا معرکہ ہے اور پیغام دیا۔

جو ظلم پہ لعنت نہ کرے، آپ لعیں ہے　　جو جبر کا منکر ہے وہ منکر دیں ہے[18]

- جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے پس منظر میں تخلیق ہونے والی نظم "سروادی سینا" کے دوسرے حصے میں کہتے ہیں۔

سنو کہ اس حرف لم یزل کے　　ہمیں تمہیں بندگان بے بس
علیم بھی ہیں، خبیر بھی ہیں　　سنو کہ ہم بے زبان و بے کس
بشیر بھی ہیں، نذیر بھی ہیں　　ہر ایک اولی الامر کو صدا دو

مندرجہ بالا اشعار میں "علیم، خبیر، بشیر، نذیر اور اولی الامر" جیسے قرآنی الفاظ ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔
شام شہریاراں میں "جس روز قضا آئے گی" کا آخری شعر فارسی اور اردو میں یکساں پڑھا جاسکتا ہے نیز قرآنی الفاظ بھی شعر میں نہایت خوبصورتی سے موجود ہیں۔

للہِ الحمد بانجام دلِ دل زدگاں　　کلمہ شکر بنامِ لب شیریں دہناں[19]

سفر نامہ پیکنگ میں لکھتے ہیں:

میری آغوش میں پتی ہے خدائی ساری　　میرے مقدور میں ہے معجزہ کن فیکون[20]

- فیض کے کلیات "نسخہ ہائے وفا میں "مرے دل مرے مسافر" کے بعد کا کلام "غبار ایام" کے تحت درج ہے۔ اس میں ایک نظم "ایک نغمہ کربلا بیروت کے لئے" میں ان مظالم کا بیان ہے جو اسرائیلی درندوں کی طرف سے فلسطینی مجاہدین پر ڈھائے گیے۔

- فیض احمد فیض کے مجموعہ کلام "غبار ایام" میں ایک فارسی نعت ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر شعر محروم، مجبور، مظلوم افراد کے جذبات کی عکاسی اور ان کے حقوق کی پاسبانی کرتا ہے۔

4.3۔ اسلامی تصوف کی جانب جھکاؤ اور مولانا روم سے عقیدت:

اقبال کا مابعد الطبیعات اور صوفی ازم کی جانب جھکاؤ: ان کی تحریروں اور شاعری سے پتہ چلتا ہے۔ وہ مولانا روم کو روحانی طور پر اپنا پیر و مرشد کہتے ہیں۔

بال جبریل میں پیر و مرید کے نام سے ایک طویل نظم موجود ہے جس میں پیر رومی اور مرید ہندی کی گفتگو موجود ہے۔ اقبال کے برعکس فیض کی شہرت عام طور پر مذہب سے بیزار شخصیت کے طور پر کی جاتی ہے لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ فیض کا تعلق بھی ایک مذہبی گھرانہ سے تھا اور وہ نظریاتی طور پر ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔

ڈاکٹر ایوب مرزا "ہم کہ ٹھہرے اجنبی" میں لکھتے ہیں: فیض نے کہا، جیل میں، میں نے درس قرآن اور حدیث کا سبق دینا شروع کیا۔ ایک نوجوان کرنل جو وجیہہ بھی تھا اور شکیل بھی اور جو مجھ کو دہریہ سمجھتا تھا۔ یہ دیکھ کر کافی پریشان ہو گیا اور ایک دن مجھے الگ لے جا کر پوچھا، "آپ کا مسلک کیا ہے۔؟" میں نے اسے بتایا کہ میرا مسلک وہی ہے جو مولانا روم کا تھا۔ کرنل صاحب مولانا کا نام سن کر مطمئن ہو گئے اور خوش ہو کر کہنے لگے! پھر ہم دونوں مسلمان بھائی ہیں۔ آپ اپنا درس دیتے رہیں، آپ اچھا درس دے رہے ہیں۔ جیل سے رہائی کے برسوں بعد ایک مرتبہ وہ مجھے ملے تو کرنل صاحب کو میرے مذہب نے پھر اکسایا۔ پوچھا! فیض صاحب مولانا روم کا مذہب کیا تھا؟ میں نے جواباً کہا کہ جو میرا ہے۔[21] نیز یہ کہ فیض نے اپنی بیگم ایلس کو بھی ایک خط لکھا کہ "یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم ایک پوشیدہ قسم کے صوفی ہیں۔

ایک انٹرویو کے دوران اشفاق احمد کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فیض نے کہا کہ سات آٹھ برس کی عمر سے لے کر جب تک ہم کالج نہیں پہنچے تھے، ہمارا روز کا معمول یہ تھا کہ اپنے ابا کے ساتھ مسجد میں باقاعدہ نماز پڑھنے کے لئے جاتے اور نماز کے بعد مولوی ابراہیم سیالکوٹی کا درس بھی سنتے اور ان کی صحبتوں میں بھی بیٹھتے۔ اس کے علاوہ میں نے مولانا عطاءاللہ بخاریؒ کی ذات سے کافی کسب فیض کیا، میں ان کی محفلوں میں اکثر بیٹھتا تھا۔ ان ساری باتوں کا اثر انسان کی سائیکی پر لازمی ہے۔ ہم نے تو کوشش کی ہے کہ دین جو انسانیت سکھاتا ہے اس کو مد نظر رکھا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دراصل میں صوفیانہ طریق پر ہوں اور میں نے کئی مرتبہ بتایا ہے کہ میرے پیر و مرشد حضرت رومی ہیں۔ میں اپنے آپ کو ادنی طریقے سے تصوف کا پیرو سمجھتا ہوں۔ اس مسلک پر تھوڑا بہت اختلاف ہو سکتا ہے مگر رشتہ طریقت تو میرا ابھی ان ہی سے ملتا ہے۔ اہل طریقت انسان دوستی، محبت اور آشتی کا درس دیتے تھے، دنیاداری اور ظاہر پرستی، تعصب، نفرت اور تحکم کے خلاف تھے۔ اصل بات یہ ہے وہ شک و شبہات کی بنیاد پر لوگوں نے الزام تراشی کا وتیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ کسی پر کچھ الزام چسپاں کر دو، کسی پر کوئی بہتان عائد کر دو۔ یہ سب اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ بل کہ ان طریقوں سے اسلامی تعلیمات کی توہین کی جاتی ہے[22]۔

4.4۔ مشرق وسطیٰ، ایران اور عالم اسلام کے لئے شاعری:

بلاشبہ اقبال نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جاگنے اور متحد ہونے کا درس دیا۔ آپ کا یہ شعر تو زبان زد عام ہے کہ

اک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے　　نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

بانگ درا (حصہ سوم) میں فاطمہ بنت عبد اللہ نامی عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی، اسے خراج تحسین پیش کیا اور امت مسلمہ کو جہاد کا درس دیا۔ علامہ اقبالؒ نے ایرانی نوجوانوں کے عزم و وقار پر ایک نظم لکھی جس کے پہلے مصرع میں ایرانی جوانوں کو مخاطب کر کے اپنی جان کو ان کی جان بتایا۔

چوں چراغ لالہ سوزم در خیابان شما　　اے جوانان عجم! جان من و جان شما[23]

علامہ اقبالؒ نے اسی نظم میں یہ بھی پیشین گوئی کی تھی کہ ایک روز ایک مرد آئے گا جو تمہاری غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دے گا، اسے میں اپنی آنکھوں سے تمہارے زندان کی فصیل کی کھڑکی سے دیکھ رہا ہوں۔

می رسد مردے کہ زنجیر غلاماں بشکند　　دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما[24]

اقبال کی پیشین گوئی ان کے انتقال کے چالیس سال بعد آیت اللہ خمینی کی صورت میں پوری ہوئی۔

فیض اردو کے دوسرے بڑے شاعر ہیں جنہوں نے ایرانی انقلابی جدوجہد پر وہ نظمیں لکھیں۔ پہلی نظم دست صبا میں لکھی جس کا عنوان ہے۔ ایرانی طلبہ کے نام جو امن اور آزادی کی جدوجہد میں کام آئے۔ دوسری نظم " ویبقیٰ وجه ربک "لکھی جو مرے دل مرے مرے مسافر میں شامل ہے۔ ایرانی طلبہ کے نام اس نظم پر اس کی تخلیق کی تاریخ درج نہیں لیکن صلیبیں مرے دریچے میں میں کئی شواہد موجود ہیں کہ یہ نظم حیدرآباد جیل میں لکھی گئی جس کا ذکر فیض نے ایلس کو اپنے خط میں کیا۔[25] فیض کی ایک مشہور و معروف نظم جو عرب اسرائیل جنگ کے بعد لکھی گئی کا عنوان "سرِ وادی سینا" ان کے مجموعہ کا بھی نام قرار پایا، فلسطین پر لکھی گئی پہلی نظم ہے۔ فیض اس نظم کے کہنے کے دس برس بعد "لوٹس" کی مدیریت سنبھال کر بیروت میں مقیم ہوتے ہیں اور وہیں ان کی فلسطین کے رہنما یاسر عرفات سے ملاقات ہوتی ہے۔ فیض نے مسئلہ فلسطین پر کل پانچ نظمیں لکھیں اور ان کے مجموعہ "مرے دل میرے مسافر" کا انتساب بھی یاسر عرفات کے نام ہے[26]۔

ایک انٹرویو میں اشفاق احمد کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ فلسطینیوں نے ایک مثال قائم کی ہے جن کے پاس نہ گھر ہے نہ حکومت لیکن وہ یہودیوں اور اسرائیل کے خلاف نہتے ہونے کے باوجود جدوجہد کر رہے ہیں۔ الجزائر نے فرانس کو اور ویت نام نے امریکا کو شکست دی، اسی طرح افغانستان نے روس کو شکست دی لیکن ان کا تو اپنا گھر تھا اور وہ لڑ رہے تھے۔ فلسطینوں کے پاس نہ ان کا گھر تھا، نہ حکومت لیکن انہوں نے سبق دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب تک ایک فلسطینی بھی باقی ہے، فلسطین باقی ہے۔ ان کا یہ جذبہ قابل قدر ہے، بعض اوقات قومیں مٹ بھی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا نام زندہ رہتا ہے اور اس نام کی وجہ سے اوروں کو سہارا ملتا ہے[27]۔

اسی بات کو زنداں نامہ میں فیض اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے — یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

میدان وفا دربار نہیں، یاں نام ونسب کی پوچھ کہاں — عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو، ڈر کیسا — گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں[28]

ترقی پذیر یا تیسری دنیا کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تیسری دنیا کے ممالک کو سپر پاورز کا دست نگر رہنے اور ان سے قرضے مانگنے کی بجائے، ان سے ہتھیار طلب کرنے چاہئیں اور ان کے اتحادوں میں شرکت کرنے کی بجائے غیر جانبدار رہنا چاہیئے۔ تاکہ سپر پاورز کی عمل داری ختم ہو جائے اور تیسری دنیا کے غریب ممالک فتح یاب ہوں۔ نیز ایسا نظام تشکیل دینا چاہیئے جس سے سپر پاورز کی مداخلت ختم ہو اور ایسا صرف تنظیم اور جذبہ سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ جو دوسروں کی محتاجی نہ سکھائے[29]۔

ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جیسا بڑا انقلاب اسلام نے پیدا کیا اس سے بڑا انقلاب بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ دین ایک ایسی چیز ہے اور دین کے جو اجارہ دار بن جاتے ہیں وہ دوسری۔ جس نظام میں مختلف قسم کے طبقات ہوتے ہیں اور ہر طبقے کا اپنا اپنا مفاد ہوتا ہے، اس میں دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ دین عوام کی بھلائی کے لئے اور خلق خدا کی بہبود کے لئے آیا ہے اور اس کی ترغیب دی جارہی ہے یا نہیں۔ ظلم وستم اور جبر وتشدد کی حمایت کسی بھی دین میں جائز نہیں ہے۔ دین کے صحیح معانی یہی ہیں کہ وہ خلق خدا کی بہتری اور بہبود کے لئے ہے[30]۔

4.5۔ اقبال اور فیض کا خدمت ومساوات انسانی کا پیغام:

اقبال اور فیض کی فکر انقلابی اور آفاقی ہے۔ ان کے کلام میں انسان اور انسانیت کی محبت، امن دوستی کی خواہش اور اپنے حقوق کی جدوجہد کی تلقین جابجا ملتی ہے اور ایک خاص فکری سطح پر ان کی شاعری آج کے دور کے مسائل کا بیان بن جاتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں!

"اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو"۔[31] ایک اور جگہ کہتے ہیں!

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار — انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات[32]

فیض افراد کو آزادی اظہار کے حق کی جانب راغب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بول لب آزاد ہیں تیرے اور تیری حق گوئی اور بے باکی کے لئے تھوڑا وقت بھی بہت ہے۔[33] وہ اپنی نظم "موضوع سخن" میں مظلوم انسانوں کی آواز بن جاتے ہیں۔[34]

ایرانی طلبہ کے نام جو امن اور آزادی کی جدوجہد میں کام آئے، اپنی طویل آزاد نظم میں ظلم کی اندھیری رات کے بعد صبح بغاوت کی نوید دیتے ہیں۔[35]

نقش فریادی کی نظم "کتے" جو ان مصرعوں سے شروع ہوتی ہے:

یہ گلیوں کے آوارہ بے کار کُتے کہ بخشا گیا جن کو ذوقِ گدائی[36]

اقبال کی نظم "طارق کی دعا" کی بحر میں لکھی گئی ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی[37]

"مرے دل مرے مسافر" کی نظم "تین آوازیں" جسے ظالم، مظلوم اور ندائے غیب کی ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اقبال کی نظم "لینن خدا کے حضور میں"، "فرشتوں کا گیت" اور "فرمان خدا" کی تکنیک کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ فیض کی نظم جس میں بندہ خدا سے شکوہ کرتا ہے "یا خدا یہ مری گردانِ شب و روز و سحر"[38]۔ تلخ ہیں بہت بندہ مزدور کے اوقات اور اٹھو مرے دنیا کے غریبوں کو جگادو کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔

دونوں شعراء کی انسان دوستی، امن پسندی اور تعمیری فکر کے فروغ سے معاشرتی اور سماجی حوالے سے افراد کی اخلاقی تربیت کے ذریعہ معاشرے میں بڑھتے ہوئی انتہا پسندی، دہشت گردی، ظلم و ستم اور کمزوروں کے استحصال میں کمی اور بالآخر ان کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔

4.6۔ اشتراکیت پسندی:

اقبال اور فیض کے اشتراکی نظریے میں بھی کسی حد تک مماثلت موجود ہے۔ اقبال کے ہاں اشتراکیت "الا اللہ" میں ڈھل کر عین اسلام بن جاتی ہے۔ اسی لیے وہ الحاد پر مشتمل اشتراکیت کا انکار کرتے ہیں لیکن سامراجیت، ملوکیت، آمریت، جاگیرداری، وڈیرہ شاہی اور غلامی کی مذمت اور کسان، مزدور اور عوام کی حمایت اور طرف داری اقبال کی شاعری میں کثرت سے موجود ہے۔ فیض کے ہاں بھی یہی موضوعات ہیں۔

ایک انٹرویو میں فیض سے پاکستان کے نظام کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہر ملک کے اپنے حالات اور روایات ہوتی ہیں۔ پاکستان ایک اسلامی اکثریت رکھنے والا ملک ہے لہذا یہاں جو بھی نظام ہو گا، اس کے بنیادی اصول اسلامی ہی ہوں گے اور سوشل ازم ہونے کی صورت میں اسے ہم اسلامی سوشل ازم کہہ سکتے ہیں۔[39] فیض سے ایک سوال کیا گیا کہ ایران کا انقلاب تو اسلامی انقلاب ہے پھر آپ نے اس پر نظم کیوں لکھی؟

کہنے لگے کہ انقلاب اسلامی اور غیر اسلامی نہیں ہوتا جب لوگ تخت و تاج کو الٹنے اور بادشاہی کو تاراج کرنے کے لئے سڑکوں اور گلیوں میں نکل آئیں تو پھر یہ عوامی انقلاب بن جاتا ہے۔ ایک اور موقع پر فیض نے کہا کہ ایرانی انقلاب، انقلاب فرانس کی طرح سے ایک بڑا انقلاب تھا۔ روس، چین، ویت نام وغیرہ کے انقلابوں میں طرفین کی فوجوں کے درمیان جنگ تھی۔ ایران میں براہ راست عوام کی فوج اور حکومت سے لڑائی ہوئی ہے یوں عوام نے فوج کو ہرایا ہے[40]۔

فیض سے سوال کیا گیا کہ اشتراکی نظام میں وہ کون سی جاذبیت ہے کہ مسلمان کعبہ کی بجائے ماسکو کی جانب دیکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اس وقت دنیا میں سے بہت سے مسلم ملک ہیں جن میں مختلف قسم کے نظام رائج ہیں۔ ان میں سے

آپ کس کو اسلامی نظام کہہ سکتے ہیں۔ ماسکو اور چین آپ کے سامنے عملی شکل میں موجود ہیں۔ وہاں لوگوں کو روٹی ملتی ہے، تعلیم ملتی ہے، دیگر آسائشیں میسر ہیں۔ آپ مجھے بتایئے کہ اس وقت کون سا اسلامی ملک ایسا ہے جس کی طرف لوگ رجوع کریں یا جس کو آپ کہیں کہ اس ملک کا نظام روس اور چین سے بہتر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں آج کل کے زمانے میں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جس میں کہ عوام کو اتنی آسائشیں میسر ہیں جتنی کہ روس اور چین میں حاصل ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کوئی خرابی ہے بل کہ وجہ یہ کہ اس وقت جو اسلامی نظام رائج ہیں، ان میں نقائص ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ان نقائص کی اصلاح ہو جائے تو ان میں روس اور چین سے بہتر حالات پیدا ہو سکتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں لوگ اسلامی نظام کی جانب متوجہ نہ ہوں گے تو اس کا علاج یہ ہے کہ روس اور چین کی شکایت کرنے کی بجائے اپنے آپ سے شکایت کرنی چاہیئے کہ ہم نے ایسے حالات کیوں پیدا نہیں کئے[41]۔

ظفر اللہ پوشنی "فیض اور زندان" میں لکھتے ہیں کہ فیض کی تمام یادیں میرے ذہن میں سرائے کی دیواروں اور سلاسل سے وابستہ ہیں۔ مثلا اپنے وارڈ سے عدالت تو مغربی لباس پہن کر جاتے لیکن سرائے کے اندر ہمیشہ نہایت صاف استری شدہ سفید رنگ کا کرتا، پاجامہ، عطر اور خوشبو کا بے دریغ استعمال کرتے۔ کسی نے اس عادت پر تبصرہ کیا تو فرمایا، میاں! یہ تو سنت ہے۔ اس شخص نے حجت کی کہ حضرت! آپ کا بھلا مذہبی عقائد، روایات اور اعتقادات سے کیا تعلق؟ جواب دیا، کیوں نہیں، میں یقیناً اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک حصہ ہوں[42]۔

4.7۔ جوش، جذبہ، ولولہ، امید، خود اعتمادی اور زندگی سے بھرپور شاعری:

اقبال اور فیض، دونوں شعراء کا کلام پڑھ کر جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ دونوں کا کلام جینے کی آرزو پیدا کرتا ہے۔ اقبال کا شعر ہے!

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے

ساقی[43]

دست صبا میں فیض کہتے ہیں!

ہے اپنی کشت ویراں سرسبز اس یقیں سے آئیں گے اس طرف بھی اک روز

ابر و باراں[44]

اقبال عقل پر عشق و جنون کی فوقیت کے قائل ہیں۔

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل رہ کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب

ادراک[45]

اسی طرح فیض بھی جنون کی فوقیت کے قائل ہیں، زنداں نامہ میں لکھتے ہیں!

ان ہی کے فیض سے بازارِ عقل روشن ہے　　جو گاہ گاہ جنوں اختیار کرتے رہے[46]

اقبال چاہتے تھے کہ ہند کے مسلمانوں کے قلوب میں آزادی کی لذت کو بیدار کریں تا کہ وہ متحد ہو کر ایک ایسی آزاد ریاست کے لئے کوشش کریں جس کا نقشہ انہوں نے "خطہ لاہور" میں واضح طور پر کھینچ دیا تھا۔

"جہاں انسان کا معاشرتی رتبہ اس کی ذات، رنگ یا اس کی آمدنی کی مقدار سے نہیں بل کہ اس طرز زندگی سے جو وہ بسر کرتا ہے، قائم کیا جاتا ہے۔ جہاں غریب امیروں پر ٹیکس عائد کرتے ہیں، جہاں انسانی معاشرہ شکم کی مساوات پر نہیں بل کہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو، جہاں کوئی اچھوت بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے، جہاں نجی ملکیت ایک امانت ہو اور جہاں سرمایہ اکھٹا کرنے کی اجازت نہ ہو کہ وہ دولت پیدا کرنے والوں پر چھا جائے[47]۔

فیض کی آنکھوں میں بھی کچھ ایسے خواب سجے تھے وہ بھی اقبال ہی کے پاکستان کا تصور دل و دماغ میں بسائے ہوئے تھے لیکن شومئ قسمت آزادی کے بعد بھی وہ آزادی حاصل نہ ہو سکی جس کا خواب اقبال نے دیکھا تھا۔ فیض کی بدلی ہوئی سرحدی لکیروں کو دیکھتے ہیں اور پھر اپنے سیاسی و سماجی ماحول سے حریان ہو کر پہلے تو شاید اقبال ہی کی روح سے مخاطب ہو کر نظم صبح آزادی میں کہتے ہیں!

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر　　وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر　　چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں[48]

اور پھر بے ساختہ اپنے ہم سفروں کو جھنجوڑتے ہوئے کہتے ہیں:

ابھی چراغ سر رہ کو کچھ خبر ہی نہیں　　ابھی گرانی شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی　　چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی[49]

فیض امید اور حوصلہ کا شاعر ہے۔ فیض راستے کے ہر قدم کو منزل کا مقام عطا کرتا ہے۔ فیض استعاروں، اشاروں اور علامتوں میں بات کرتا ہے۔ فیض مقصد کی تکمیل کو اپنا ہدف بتاتا ہے ی کہ اگر وہ بہار دیکھ نہ سکے تو آنے والے ضرور دیکھیں گے اور فیض کو یقین ہے کہ ان کی طرز فُغان گلشن کی طرز بیان ہو گی۔ اپنی کتاب زنداں نامہ میں لکھتے ہیں!

دل ناامید تو نہیں، ناکام ہی تو ہے　　لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے[50]

اقبال بھی کہتے ہیں۔

نغمہ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو　　اس دم نیم سوز کو طائرِ کِ بہار کر[51]

فیض دست صبا کی نظم "دوسری آواز" میں کہتے ہیں!

یہ ہاتھ سلامت ہیں، جب تک، اس خوں میں حرارت ہے جب تک — اس دل میں صداقت ہے جب تک، اس نُطق میں طاقت ہے

ان طوق و سلاسل کو ہم تم، سکھلائیں گے شورش بربط و نے — وہ شورش جس کے آگے زبوں ہنگامہ طبل قیصر و کے

آزاد ہیں اپنے فکر و عمل، بھرپور خزینہ ہمت کا — اک عمر ہے اپنی ہر ساعت، امروز ہے اپنا ہر فردا

یہ شام و سحر، یہ شمس و قمر، یہ اختر و کوکب اپنے ہیں — یہ لوح و قلم، یہ طبل و علم، یہ مال و حشم سب اپنے ہیں[52]

فیض کے وہ اشعار جو انہوں نے پاکستان کی آزادی پر لکھے اور انہیں صبح آزادی کو شب گزیدہ سحر کہنے پر ہدف ملامت بنایا گیا، وہی اشعار پاکستان کے قیام کے پچاس سال بعد بھی موقر مبصرین کے لئے ملک کی حالت زار کو بیان کرنے کے لیے مددگار ثابت ہوئے۔ یہ اشعار دست صبا میں صبح آزادی کے عنوان سے ملتے ہیں۔

ابھی چراغ سر رہ کو کچھ خبر ہی نہیں — ابھی گرانی شب میں کمی نہیں آئی

نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی — چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی [53]

4.8۔ شیخ وملاں کی کم علمی وجہالت سے بیزاری:

اقبال اور فیض دونوں ہی شیخ، ملاں، واعظ اور ناصح جیسے کرداروں کی جہالت، فرقہ پرستی اور اخلاقی کج رویوں سے بیزار نظر آتے ہیں۔ ضرب کلیم میں توحید کے عنوان سے موجود نظم میں اقبال کہتے ہیں۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے — اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام[54]

بانگ درا کے ظریفانہ کلام میں شیخ صاحب کو بارہا موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

اے شیخ و برہمن سنتے ہو، کیا اہل بصیرت کہتے ہیں — گردُوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

یا باہم پیار کے جلسے تھے، دستور محبت قائم تھا — یا بحث میں اردو ہندی ہے یا قربانی یا جھٹکا ہے[55]

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے

وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے[56]

اقبال کی طرح فیض بھی شیخ و ملاں سے نالاں اور گریزاں نظر آتے ہیں۔ انہیں بھی ان کے کھلے تضادات سے الجھن ہوتی ہے کہ جو چیز شیخ کو اپنے مفاد میں نظر آتی ہے وہ اسے جائز اور جس می مادی فائدہ نہ ہو اسے حرام قرار دے دیتے ہیں۔ دست صبا میں کہتے ہیں۔

آج تک شیخ کے اکرام میں جو شے تھی حرام — اب وہی دشمن دیں، راحت جاں ٹھہری ہے[57]

نیز دست صبا میں کہتے ہیں!

مجرم ہو خواہ کوئی، رہتا ہے ناصحوں کا — روئے سخن ہمیشہ سوئے جگر فگاراں

ہے اب بھی وقت زاہد، ترمیم زہد کر لے — سوئے حرم چلا ہے انبوہ بادہ خواراں[58]

شیخ صاحب سے رسم و راہ نہ کی — شکر ہے زندگی تباہ نہ کی[59]

شیخ کی نصیحتوں اور وعظ سے تنگ آکر عالم بیزاری میں فیض یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ

فکر سود و زیاں تو چھوٹے گی — منّت این و آں تو چھوٹے گی

خیر دوزخ میں مے ملے نہ ملے — شیخ صاحب سے جاں تو چھوٹے گی[60]

مختصر یہ کہ اقبال اور فیض کے کلام میں تفرقہ بازی میں مبتلا اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے نابلد ملاں و شیخ جیسی شخصیات سے بے زاری اور ناراضگی کے اثرات موجود ہیں۔

4.9۔ پیام مشرق کا منظوم اردو ترجمہ:

فیض نے علامہ اقبال کی کتاب "پیام مشرق" کا منظوم ترجمہ بھی کیا۔ اس انتخاب میں پیام مشرق کے چار حصوں سے قطعات، غزلیات، نظموں کو چن کر ترجمہ کیا۔ فیض نے پیش لفظ میں لکھا کہ آج سے چند ماہ پیشتر جب مجھ سے یام مشرق کا منظوم ترجمہ کرنے کی فرمائش کی گئی تھی تو میں نے اس کی تعمیل اس لئے قبول کر لی کہ اول تو اس بہانے سے کافی زمانے بعد پیام مشرق کا گہرا مطالعہ کر لوں گا اور دوم ترجمہ اچھا یا برا جیسا بھی ہو ان پرستارانِ اقبال کی جو فارسی زبان سے نا آشنا ہیں۔ اس کتابکے افکار و معانی تک کچھ نہ کچھ رسائی ضرور ہو سکے گی۔ ان صفحات میں ار کوئی خوبی ہے تو وہ علامہ کی دین ہے۔[61]

فیض نے پیام مشرق کے پہلے حصے موسومہ بہ لالہ طور کے 163 قطعات سے 56 منتخب کئے۔ جس میں فلسفہ، وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر عمدہ مضامین شامل ہیں۔ پیام مشرق کے دوسرے حصے "افکار" سے جس میں 51 نظمیں شامل ہیں صرف 22 اغلب چھوٹی اور مختصر نظموں کو چنا گیا ہے۔ اس حصہ میں خدا، انسان اور کائنات کے اجتماعی مسائل پر گفتگو ہے، تیسرے حصہ "مے باقی" جس میں 45 غزلیں ہیں، یہ زندگی کے فلسفے پر ہے، فیض نے ان میں سے صرف 20 غزلوں کو منتخب کیا گیا ہے۔ چوتھے حصے "نقش فرنگ" جس میں فیض کے موضوع اور نظریہ کے کئی عناوین تھے لیکن صرف چار نظمیں پتوفی، خراباتِ فرہنگ، خطاب بہ انگلستان اور نوائے مزدور کا ترجمہ کیا ہے۔ فیض نے پانچویں حصہ "خُردہ" میں چوبیس اشعار ہیں لیکن ان سے کوئی شعر ترجمہ نہیں کیا۔ منظوم ترجمہ کا سب سے دلچسپ حصہ قطعات کا ترجمہ ہے۔ فیض نے قریبا ایک تہائی قطعات کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا۔ ترجمہ کی بحر بھی وہی رکھی جو اقبال کی بحر تھی۔ پیام مشرق مشہور جرمن حکیم اور شاعر گوئٹے کی شاہکار تصنیف دیوان مغرب کے جواب میں لکھی ہے۔ حکیم گوئٹے کی تصنیف کے بارے میں جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا لکھتا ہے "یہ ایک گلدستہ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے"۔

5۔ خلاصہ مباحث:

اقبالؒ ایک ایسے شاعر، دانشور، ادیب، مصلح اور مفکر تھے کہ ان کے ہم عصروں اور بعد میں آنے والوں نے ان سے اثر لیا۔ اردو کے ایک بڑے شاعر، ادیب، مفکر اور مصلح: فیض احمد فیض جو اقبال کے ہم عصر بھی تھے نے اقبال کے سے انداز میں عمرانی فلسفہ کو اشعار میں ڈھال کر پیش کیا۔ زیر نظر مضمون میں اقبال اور فیض کی اسلامی فکر اور دیگر مشترکات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگرچہ کہ فیض عمر میں اقبال سے قریباً 34 سال چھوٹے تھے لیکن دونوں شعراء کا تعلق پاکستان کے شہر سیالکوٹ سے تھا۔ دونوں کے اجداد موجودہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے آکر سیالکوٹ میں آباد ہوئے تھے اور معاشرے میں معزز مقام رکھتے تھے۔ دونوں نے شمس العلماء مولوی میر حسن سے عربی اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ دونوں شعراء اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سوشل سائنسز کے موضوعات پر گرفت رکھتے تھے۔ نظر مضمون میں اقبال اور فیض کی ذاتی زندگی، فکری اور فنی اشتراکات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

فیض؛ اقبال کو بیسویں صدی کا سب سے بڑا شاعر اور مفکر سمجھتے تھے۔ انہوں نے اقبال کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے دو نظمیں بھی لکھیں اور اقبال کی فارسی کتاب پیام مشرق کا منتخب منظوم اردو ترجمہ بھی کیا۔ دونوں شعراء کی صحت، طبیعت اور بیماریوں میں بھی کسی حد تک مشابہت نظر آتی ہے۔ تمباکو نوشی اور بدنی تساہل میں فیض؛ علامہ محمد اقبال سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ دونوں شعراء نے عربی و فارسی کے ایک جیسے الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا۔ دونوں شعراء اسلامی فکر، اسلامی تصوف اور مولانا روم سے متاثر تھے۔ دونوں شعراء نے مشرق وسطیٰ، ایران اور عالم اسلام کے لئے شاعری کی۔ دونوں شعراء کی شاعری میں خدمت انسانی اور مساوات انسانی کا پیغام ہے۔ دونوں شعراء کی شاعری میں اشتراکیت پسندی کا رجحان نظر آتا ہے اگرچہ اقبال اشتراکیت کی بھی نفی کر کے اسلامی نظام حکومت و معیشت کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ دونوں شعراء کی شاعری جوش، جذبہ، ولولہ، امید، خود اعتمادی اور زندگی سے بھرپور ہے۔ دونوں شعراء شیخ و ملاں کی کم علمی و جہالت سے بیزار نظر آتے ہیں۔

6۔ نتائج:

زیر نظر مضمون میں اقبال اور فیض کی اسلامی فکر اور دیگر مشترکات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دونوں شعراء نے عربی، فارسی اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور فیض نے تو قرآن کریم کے چند پارے حفظ بھی کیے۔ فیض قید و بند کے دوران دیگر قیدیوں کو درسِ قرآن بھی دیتے رہے۔ دونوں شعراء؛ ایک ہی استاذ سے فیض یاب بھی ہوئے۔ دونوں شعراء نے اپنے کلام میں عربی و فارسی تراکیب اور قرآنی الفاظ و تلمیحات کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ اقبال کی شاعری میں قرآنی الفاظ و تلمیحات اور قرآنی فلسفہ کا استعمال زیادہ ہے۔

دونوں شعراء اسلامی فکر، اسلامی تصوف اور مولانا روم سے متاثر تھے۔ دونوں نے مشرق وسطیٰ، ایران اور عالم اسلام کے لئے شاعری کی۔ دونوں شعراء کی شاعری میں اشتراکیت پسندی کا رجحان نظر آتا ہے اگرچہ اقبال اشتراکیت کی بھی نفی کر کے اسلامی

نظام حکومت و معیشت کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ دونوں شعراء کی شاعری جوش، جذبہ، ولولہ، امید، خود اعتمادی اور زندگی سے بھرپور ہے۔ دونوں شعراء شیخ و ملاں کی کم علمی و جہالت سے بیزار نظر آتے ہیں۔

7۔ تجاویز و سفارشات:

- اقبال، فیض اور دیگر ایسے شعراء جن کی شاعری سے خودداری، خود اعتمادی، حرکت، جدوجہد اور جہاد کا درس ملتا ہے اس کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں محکمہ تعلیم سمیت حکومتی ادارے اور میڈیا کو اقدامات کرنے چاہئیں، اس طرح دونوں شعراء کی انسان دوستی، امن پسندی اور تعمیری فکر کے فروغ سے مسلم امہ کی اخلاقی تربیت ہو سکے گی اور معاشرے میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی اور کمزوروں کے استحصال کا قلع قمع ممکن ہو سکے گا۔
- خودداری، جدوجہد، جہاد، انسانی حقوق، قانون کی حکمرانی اور مساوات انسانی اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں لیکن بدقسمتی سے آج کا مسلمان ان اسلامی تعلیمات کو بھلا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ تعلیمات شاعری یا کسی بھی دیگر شکل میں سامنے آتی ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ شاید یہ اشتراکیت کی تعلیمات ہیں۔ حالانکہ ان تعلیمات کا سب سے بڑا اسلام ہے اور صدیوں تک یہ تعلیمات اسلامی دنیا میں رائج رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی ان تعلیمات کو عام کیا جائے۔
- اقبال اور فیض کی شاعری میں عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال موجود ہے، جس کی وجہ سے عربی اور فارسی سے ناواقف شخص کو اس شاعری کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ اس لیے اس کو مع تشریح بھی عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انگریزی تعلیم یافتہ اور کم پڑھے لکھے شخص تک بھی یہ آفاقی پیغام پہنچے۔

8۔ حوالہ جات

[1] ۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، سیاست پبلی کیشنز حیدر آباد انڈیا، 2013، ص153۔

[2] ۔ ایضاً، صفحہ 259۔

[3] ۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی، انٹرویو؛ فیض احمد فیض ایوان وقت میں، مشمولہ فیض کی تخلیقی شخصیت: تنقیدی مطالعہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1989، ص347۔

[4] ۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، صفحہ 106۔

[5] ۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نقش فریادی، ایجوکیشنل پبلشنگ دہلی، 1992، ص77، 78۔

[6] ۔ فیض احمد فیض، انتخاب پیام شرق (منظوم اردو ترجمہ)، اقبال اکادمی لاہور، 1977، ص9۔

[7] ۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود، اقبال اکادمی لاہور، 2008، ص21۔

[8] ۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، ص154۔

[9] ۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی، انٹرویو؛ فیض احمد فیض ایوان وقت میں، ص342۔

[10] ۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، ص365۔

[11] ۔ احمد ندیم قاسمی، فیض کا فن، مشمولہ فیض کی تخلیقی شخصیت: تنقیدی مطالعہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1989، ص16۔

[12] ۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی لاہور، 1994، ص99,98۔

[13]۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص132۔
[14]۔ ایضاً، ص165۔
[15]۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، ص361۔
[16]۔ ایضاً، ص359۔
[17]۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص336۔
[18]۔ ایضاً، ص568۔
[19]۔ ایضاً، ص516۔
[20]۔ www.rekhta.org/nazms/safar-naama-faiz-ahmad-faiz-nazma,05-12-24.
[21]۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، ص253۔
[22]۔ ایضاً، ص355،354۔
[23]۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، زبور عجم، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، س ن، ص118۔
[24]۔ ایضاً، ص118۔
[25]۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، ص490۔
[26]۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص608۔
[27]۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، ص297۔
[28]۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص259۔
[29]۔ ایضاً، ص297۔
[30]۔ ایضاً، ص298۔
[31]۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص437۔
[32]۔ ایضاً، ص292۔
[33]۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص163۔
[34]۔ ایضاً، ص90۔
[35]۔ ایضاً، ص157۔
[36]۔ ایضاً، ص71۔
[37]۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ص495۔
[38]۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص638،639۔
[39]۔ فکر فیض، انٹرویو، مشمولہ فیض کی تخلیقی شخصیت، ص323۔
[40]۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، فیض شناسی، ص494۔
[41]۔ ایضاً، ص358۔
[42]۔ ایضاً، ص298۔

[43] ۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص374۔
[44] ۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص187۔
[45] ۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص394۔
[46] ۔ فیض، نسخہ ہائے وفا،، ص247۔
[47] ۔ اقبال، خطبہ لاہور، مشمولہ خطبات اقبال، ترجمہ و تالیف محمد جہانگیر عالم، فیصل آباد، دائرۃ المعارف، 2001، ص106۔
[48] ۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص116۔
[49] ۔ ایضاً، ص118۔
[50] ۔ ایضاً، ص261۔
[51] ۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص369۔
[52] ۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص125۔
[53] ۔ ایضاً، ص118۔
[54] ۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص612۔
[55] ۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص317۔
[56] ۔ ایضاً، ص315۔
[57] ۔ فیض، نسخہ ہائے وفا، ص164۔
[58] ۔ ایضاً، ص187۔
[59] ۔ ایضاً، ص235۔
[60] ۔ ایضاً، ص265۔
[61] ۔ فیض احمد فیض، انتخاب پیام شرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص9،8۔